امن کی طرف لوٹیے!

کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کا اصل مطلب کیا ہے؟ بلکہ پوچھنا تو یہ بھی چاہیے کہ ریاست کا بیرونی بیانیہ کس امر کی غمازی کرتا ہے؟ Fletcher School of Diplomacy کے ایک پروفیسر سے جب یہ سوال پوچھا گیا' تو جواب حیران کن تھا۔ فارن پالیسی بذات خود کوئی وجود نہیں رکھتی۔ اس کا کوئی ایک مخصوص مطلب نہیں ہے۔ دراصل کسی بھی ملک کی اقتصادی قوت' اس کے بیرونی ممالک کے ساتھ تعلقات کی بنیاد بنتی ہے۔ اگر کوئی ملک معاشی طور پر بدحالی کا شکار ہوگا تو اس کی خارجہ پالیسی' کچھ بھی نہیں ہوگی۔ طاقتور قومیں' اسے غیر سنجیدگی سے دیکھیں گی۔ دنیا میں اس ریاست کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔ ہاں' ایک اور بات۔ جب کسی بھی ملک کی اشرافیہ کو احساس ہو جائے گا کہ معاشی طور پر کمزور ہو چکے ہیں تو وہ مصنوعی طریقے سے وطن پرستی کے جذبے کو ہوا دیں گے۔ عوام کو فکری طور پر غیر محفوظ کر دیں گے تاکہ اپنے جوہری مسائل پر توجہ نہ دے سکیں۔ وہ ممالک' تصادم کو قومی نظریہ کے طور پر پیش کریں گے۔ بہرحال یہ ایک ایسے زیرک استاد کی رائے ہے جس نے پوری زندگی دنیا کی بہترین درسگاہ میں ڈپلومسی پڑھائی ہے۔ اس بیانیے پر ہمارے جیسے جذباتیت اور غیر حقیقی دنیا سے وابستہ لوگوں کو بھرپور توجہ دینی چاہیے۔

جاپان جیسے عظیم اور ترقی یافتہ ملک کی مثال سے شائد ہم لوگ کچھ سیکھ سکیں۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ملک کا بادشاہ' ہیروہیٹو (Hiro hito) تھا۔ جنرل ٹوجو' جنگ کے زیادہ دورانیے میں وزیراعظم رہا۔ شہنشاہ ہیروہیٹو' ویسے تو نمائشی عہدے پر فائز تھا مگر جاپان میں سب سے زیادہ معتبر شخصیت کے طور پر جانا جاتا تھا۔ جاپان کو دوسری جنگ عظیم میں دھکیلنے کا حکم بادشاہ نے ہی دیا تھا۔ جرمنی کے ساتھ اتحاد بھی اسی کے حکم پر ہوا تھا۔ وزیراعظم' اس کے سامنے کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ عوام میں وطن پرستی' قومی عظمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جنگ کے ابتدائی دور میں تو یہ لگتا تھا کہ جاپان نے درست فیصلہ کیا ہے۔ یعنی جرمنی کا حلیف بننا اچھا فیصلہ تھا۔ مگر بادشاہ اور اس کا وزیراعظم یہ فراموش کر گئے کہ ہر ملک کی ایک استطاعت ہوتی ہے اور وہ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہیروہیٹو ایک تاریخی غلطی کر بیٹھا تھا۔ پرل ہاربر پر' جاپان کی فضائیہ کا حملہ بھی المناک ثابت ہوا۔ غور فرمایئے۔ کہ جس وقت' جاپان کا وزیراعظم اپنی کابینہ کے ساتھ ہیروہیٹو کے سامنے جنگ پر ابتدائی غور و خوض کر رہے تھے۔ اس وقت' اپنے اسلحہ' عسکری طاقت اور جنگی جنون سے سرشار تھے۔ کابینہ کے ارکان اور شہنشاہ کا خیال تھا کہ بڑے آرام سے اس جنگ میں فتح یاب ہوں گے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والا وقت کتنا ہولناک ہوگا۔ جاپان کی خارجہ پالیسی اس وقت جنگ اور صرف جنگ پر مبنی تھی۔ نتائج کے متعلق کسی نے سوچا تک نہیں تھا۔ ریاستی ادارے' عوام کو امن سے دور لے جانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ جاپان کی ناقص فارن پالیسی سے جنگ عظیم دوم میں ان کو کیا نقصان ہوا، ذرا اس کا بھی جائزہ لے لیجئے۔ تقریباً چھ برس کی جنگ میں جاپان میں تیس لاکھ انسان زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں بیس لاکھ کے قریب فوجی شامل تھے۔ صرف ایک جنگ Battle of Okinawa میں ایک لاکھ فوجی مارے گئے۔ جاپان کی فضائی قوت مکمل طور پر ختم ہوگئی۔ اختتامی دور میں تو اتحادی B-29 جہازوں نے پورے ملک کو مٹی کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔ ٹوکیو' اوسکا' ناگویا اور کوبو شہر ملیامیٹ ہو گئے۔ ایک سو پانچ کلومیٹر کے رقبہ پر زندگی کی ہر حرارت ختم ہوگئی۔ 6 اگست' 1943 کو امریکہ نے Littleboy نام کا ایٹم بم' ہیروشیما پر پھینکا جس سے ان گنت لوگ پگھل کر مر گئے اور ستر فیصد عمارتیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ 9 اگست کو ناگاساکی پر ''Fatman'' نام کا ایٹم بم داغا گیا۔ دو مربع میل شہر کا نام و نشان مٹ گیا۔ جاپان کی صنعت مکمل طور پر قصہ پارینہ بن گئی۔ شہنشاہ ہیروہیٹو کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس نے امریکی افواج کے سامنے' مکمل طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ اتنی بربادی کے بعد' جاپان نے کیا سیکھا۔ ایک واحد نکتہ ذہن نشین ہو گیا کہ یہ دنیا امن کی آماجگاہ ہے۔ جنگ کی ہولناکی سے عوام کو بچانا ہی اصل کامیابی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے لے کر آج تک' جاپان کی خارجہ پالیسی' اس کی اقتصادی ترقی میں پنہاں ہو چکی ہے۔ جاپان' ایک بات سیکھ گیا کہ کسی بھی ملک کی اصل قوت' اس کی معیشت میں چھپی ہوئی ہے۔ جس کے لئے ''امن'' اور صرف ''امن'' چاہیے۔ جنگ کسی بھی مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی۔ آج جاپان ایک معاشی جن بن چکا ہے۔ اس کی جی ڈی پی' پانچ ٹریلین ڈالرز کے لگ بھگ ہے۔ 2025ء میں اس ملک کے فارن کرنسی ریزرو 1.3 ٹریلین ڈالرز ہیں۔ جاپان کے پاس نوے بلین ڈالر سونے کے ذخائر ہیں۔ اس کی برآمدات سات سو سات بلین ڈالر ہیں۔ ہر شہری کی اوسط آمدنی پچیس ہزار ڈالر سالانہ ہے۔

پتہ نہیں یہ بات لکھنی بھی چاہیے یا نہیں اور کیا اس پر کوئی توجہ دے گا بھی کہ نہیں۔ ہمارا ملک معاشی طور پر دنیا کی نچلی ترین سطح پر براجمان ہے۔ ہماری پوری معیشت صرف چار سو گیارہ بلین ڈالر پر مشتمل ہے۔ فارن کرنسی ذخائر صرف انیس بلین ڈالر پر مشتمل ہیں۔ ملک کی 45 فیصد آبادی' غربت کی لکیر سے نیچے سانس لے رہی ہے۔ 2.6 فیصد کی سالانہ اقتصادی ترقی' اتنی شدید غربت کو کم کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ تین کروڑ سے زیادہ لوگ' دو وقت کے مستقل کھانے سے محروم ہیں۔ یہ اعداد و شمار' ورلڈ بینک کے شائع کردہ ہیں۔ سات سے آٹھ کروڑ بچوں کے لئے تعلیم کی بنیادی سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ مگر یہاں یہ سوال بہرحال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا اصلی دشمن کون ہے؟ 1947ء سے آج تک گھمبیر مسائل کی پاتال میں کیوں دھنستے جا رہے ہیں؟ کیا یہ سوال اب بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ سادہ سا جواب ہے کہ ہم اب معاشی طور پر ختم ہو چکے ہیں، قرضہ واپس کرنے کے لئے بھی ہمیں دنیا سے مزید قرضہ لینا پڑتا ہے۔ معاملہ صرف اور صرف معیشت کی بدحالی کا نہیں ہے۔ کے پی اور بلوچستان میں ریاستی اداروں اور دہشت گردوں کی جنگ جاری ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ اب تو سندھ کے کثیر اور پنجاب کے جنوبی حصے میں کچے اور پکے کے ڈاکوؤں کی عملداری ہے۔ صرف پنجاب کا کچھ حصہ ہے' جو نسبتاً پرامن ہے۔ مگر جب پورے ملک میں دہشت گردی اور شدت پسندی کی آگ لگی ہو تو یہ سکون کب تک قائم رہے گا' اس کے متعلق بالکل کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا؟

اس پس منظر کے بعد' کیا ہمیں پوچھنے کا حق نہیں ہے۔ کیا ہماری خارجہ پالیسی درست سمت میں جا رہی ہے؟ یا ہماری خارجہ پالیسی ہمیں مزید تناؤ کی طرف لے جا رہی ہے؟ سچ پوچھیئے۔ تو جواب ہر ایک کو معلوم ہے۔ مگر درست بات کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ ایک حد درجہ مربوط طریقے سے ووٹ کی طاقت سے وجود میں آنے والے ملک کو ''سکیورٹی سٹیٹ'' بنا دیا گیا ہے۔ نفسیاتی طور پر اتنا غیر محفوظ کر دیا گیا ہے کہ ہم اپنے ہر ہمسایہ ملک کو اپنے لئے دائمی خطرہ گردانتے ہیں۔ افغانستان' ایران اور ہندوستان کسی صورت میں ہمارے دوست معلوم نہیں پڑتے۔ ملک کے بانیوں نے تو کبھی بھی اس طرح کا بیانیہ نہیں بنایا تھا۔ قائداعظم کا ایک پالیسی بیان نکال لیجئے۔ جہاں انہوں نے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ تنازعات کو طاقت یا جنگ کے ذریعے حل کرنے کا فرمان جاری کیا ہو۔ وہ تو ہندوستان اور پاکستان کو بہترین ہمسایوں کی طرح دیکھتے تھے۔ مگر اب معاملہ بالکل متضاد ہے۔ ہر وقت' خاص ترتیب کے ساتھ ذہن سازی جاری ہے کہ بس ہمارے ملک کی سالمیت کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اور اس سے بچنے کا واحد طریقہ' مسلسل جنگ میں چھپا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ درباری دانشور' اس بیانیے سے مکمل اتفاق کرتے ہوں۔ لیکن کیا ہمسایہ ملکوں سے پائیدار امن' زیادہ بہتر بات نہیں ہے۔ کیا' ہندوستان کے ساتھ باہمی تجارت ایک مثبت رویہ ثابت نہیں ہوگی؟ دراصل جنگ عام لوگوں کیلئے عذاب ہے۔ مگر اس سے اشرافیہ اور اداروں کے مالی مفاد وابستہ ہیں۔ ذرا سوچیے! ہر جنگ ہمیں بدحالی کی مہمیز لگا کر ہمیں مزید تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ دہشت گرد' اب دو صوبوں میں آگ اور خون کی ہولی برپا کرنے میں کامیاب ہیں۔ دانائی کیا ہے؟ صرف یہ' کہ اپنے ہمسایہ ممالک سے بہترین روابط قائم کیے جائیں۔ اس دنیا میں کوئی دائمی دشمن اور دائمی دوست نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر چین اور ہندوستان' اپنے سرحدی تنازعات حل کر لیتے ہیں اور صرف معیشت پر توجہ دیتے ہیں تو ہم کیا کریں گے؟ کیا کسی کے پاس اس کا جواب ہے؟ پھر ہم امریکی جنگوں میں بلاوجہ گھسے چلے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ مزید مرتے چلے جاتے ہیں۔ ہماری معیشت مضبوط ہوگی تو ہماری خارجہ پالیسی بھی مستحکم ہوگی۔ جو بات' جاپان نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر سیکھی وہ ہم' اپنی عقل سلیم استعمال کر کے خود کیوں نہیں سیکھ سکتے۔ یاد رکھیے، صرف اور صرف امن ہی قوموں کو طاقتور کرتا ہے۔